مولانا محمد شہاب الدین ندوی انڈیا

زکوٰۃ اور مصالح عامہ

ایک اہم حدیث اور علمائے امت کا ایک فیصلہ

(۲)

ایک اور سابق شیخ الازہر محمود شلتوت نے فی سبیل اللہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس سے ایسے مصالح عامہ مراد ہیں جن میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وہ خدا کی ملکیت ہوتے ہیں اور ان کی منفعت خلق خدا کے لیے ہوتی ہے۔ ان میں سب سے پہلی اور زیادہ توجہ کے قابل چیز حربی ضروریات ہیں جن کے ذریعہ باغی قوم کی روک تھام کر کے (ملت کے) عزو شرف کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس میں فوجی و شہری شفا خانے اور جنگی سڑکوں کی مرمت وغیرہ بھی شامل ہے اسی طرح اس میں اسلامی داعیوں کی تیاری بھی داخل ہے جو اسلام کے جمال کو ظاہر کرنے، اس کے کلمہ کو بلند کرنے، اس کے احکام کی تبلیغ کرنے اور دشمنوں کو اسلام پر حملہ آور ہونے سے روکنے والے ہوں۔

..... فهی ناحية (المصالح العامه) التی لا ملك فيها لأحد، والتی لا يختص بالانتفاع بها أحد، فملكها لله، ومنفعتها لخلق الله. وأولاها وأحقها التكوين الحربی، الذی ترد به الامة البغی وتحفظ الكرامة. ويشمل العدد علی أحدث المخترعات البشرية. ويشمل المستشفيات عسكرية ومدنيه، ويشمل الطرق ومد الخطوط الحديديه وغير ذلك مما يعرف أهل الحرب والميدان. ويشمل الاعداد القوی الناضج لدعاة اسلاميين، يظهرون جمال الاسلام وسماحته وينشرون كلمته، ويبلغون أحكامه، ويتعقبون مهاجمة الخصوم لمبادئه بما يرد كيدهم الی نحورهم .....[1]

مملکت مصر کے سابق مفتی شیخ حسنین محمد مخلوف نے ایک استفتاء کے جواب میں شافعی عالم امام قفال کے حوالے سے فتویٰ دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ فی سبیل اللہ عام ہے جس میں تمام امور خیر بشمول تکفین

---

[1] الاسلام عقيدة وشريعة، محمود شلتوت، ص۱۰۱، دار الشروق قاهرہ

موتی اور تعمیر مساجد وغیرہ سب کچھ داخل ہے، جو عامۃ المسلمین کے مفاد میں ہو۔

(الجواب) ان من مصارف الزکوٰۃ الثمانیة المذکورة فی قوله تعالیٰ (انما الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الی آخر الآیة انفاقها "فی سبیل الله" وسبیل الله عام یشمل جمیع وجوه الخیر للمسلمین من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارة المساجد وتجهیز الغزاة فی سبیل الله، وما أشبه ذلك مما فیه مصلحة عامة للمسلمین، کما درج علیه بعض الفقهاء واعتمده الامام القفال من الشافعیة، ونقله عنه الرازی فی تفسیره. وهو الذی نختاره للفتوی [1]

سید قطبؒ تحریر کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ ایک وسیع باب ہے جس میں جماعت کی ہر مصلحت شامل ہو سکتی ہے جس میں کلمت اللہ کا تحقق ہو سکتا ہے۔

"وفی سبیل الله"... وذلك باب واسع یشمل کل مصلحة للجماعة تحقق کلمة الله [2]

اب رہے برصغیر پاک و ہند کے علماء، تو اس سلسلے میں مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں، " فی سبیل اللہ یعنی جہاد اور مصالح ملکی ہیں"[3]

مفتی محمد شفیعؒ امام کاسانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے۔ جیسے دین کی تبلیغ اور تعلیم اور ان کے لیے نشر و اشاعت [4]

مولانا اشرف علی تھانویؒ سورۃ بقرہ آیت ۲۷۳ کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:-

" ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں[5]"

علامہ سید سلیمان ندویؒ مذکورہ بالا آیت (بقرہ ۲۷۳) کے بارے میں تحریر کرتے ہیں، "فقراء میں ان خوددار اور مستور الحال شرفاء کو ترجیح دی ہے جو دین یا مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور اپنی آبرو اور

---

[1] فتاویٰ شرعیة بحوث اسلامیہ: ۲۹۷/۱، مطبوعہ مصر

[2] فی ظلال القرآن، سید قطب: ۳/ ۱۶۷۰، دار الشروق ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔ [3] تفسیر حقانی: ۵۰۱/۲، مطبوعہ نور محمد کراچی

[4] تفسیر معارف القرآن: ۴۰۶/۴ - ۴۰۷، مطبوعہ دیوبند۔ [5] تفسیر بیان القرآن: ۲۴۲/۱، مطبوعہ دہلی۔

خودداری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۔

ان مفلسوں کو دینا ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں اور زمین میں (روزی حاصل کرنے کے لیے) چل پھر نہیں سکتے۔ ناواقف ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو بے احتیاج سمجھتے ہیں۔ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو کہ وہ حاجت مند ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے[1]

(بقرہ، ۲۷۳)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ بھی عموم کے قائل ہیں۔ چنانچہ موصوف نے روح المعانی اور تفسیر کبیر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ "بعض فقہاء نے یہاں تک توسع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کی جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے"[2]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ بھی نہ صرف توسع کے قائل ہیں بلکہ اس میں نظام اسلامی کا قیام بھی شامل قرار دیتے ہیں "راہ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظام اسلامی کو قائم کرنا ہو"[3]

مولانا امین احسن اصلاحی تحریر کرتے ہیں، "وفی سبیل اللہ، یہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوت دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی کسی کو کم، لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے"[4]

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے فی سبیل اللہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لیے اور ان تمام کاموں کے لیے جو مثل جہاد کے اعلائے کلمۃ حق کے لیے ہوں"[5]

---

[1] سیرت النبی، از علامہ سید سلیمان ندوی، ۱۱۲/۵۔ [2] تفسیر ماجدی: ۲/ ۵۱، دوسرا ایڈیشن مطبوعہ لکھنؤ۔
[3] تفہیم القرآن: ۲/ ۲۰۸، مطبوعہ رامپور، ۱۹۵۸ء۔ [4] تدبر قرآن: ۳/ ۱۸۲، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء
[5] ترجمان القرآن: ۳/ ۲۹۸، مطبوعہ ساہتیہ اکادیمی نئی دہلی، ۱۹۷۷ء۔

پھر اس کی تفسیر اس طرح کی ہے: "قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لیے ہوں "سبیل اللہ" کے کام ہیں۔ اور چونکہ حفظ و صیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے، اس لیے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا، ورنہ دین و امت کے مصالح میں، مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں، مدارس کے اجراء و قیام میں، دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں، ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں۔"[۱]

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے سابق ایڈیٹر اور موجودہ سرپرست مولانا منظور نعمانی نے اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بہت مختصر اور جامع ہے: "فی سبیل اللہ" اکثر علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔"[۲]

مفتی دار العلوم دیوبند مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نے اس سوال کے جواب میں کہ "فی سبیل اللہ میں کون کون سے مصارف داخل ہیں؟" نہ صرف تمام امور خیر کو اس میں شامل قرار دیا ہے بلکہ یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے "بطور حیلۂ تملیک" تبلیغی انجمنوں کے دفتروں اور ان کے عملہ کی تنخواہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ موصوف سوال نمبر ۵۰۶ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب: درمختار میں ہے وفی سبیل اللہ وهو منقطع الغزاة وقیل الحاج وقیل طلبة العلم وفسره فی البدائع بجمیع القرب الخ غرض یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں بیشک موافق تفسیر صاحب بدائع کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں۔ لیکن جو شرط ادائے زکوٰۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے۔ اس لیے حیلۂ تملیک اول کر لینا چاہیے تاکہ تملیک کے بعد تبلیغ وغیرہ کے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ صرف کرنا اس کا درست ہو جائے۔[۳]

مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ تحریر کرتے ہیں: "بعض فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف مجاہدین مراد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی عبادت اور دین کے کاموں میں کوشش کرتے ہوں اور وہ مفلس ہوں تو وہ سب فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جیسا کہ ردّ المحتار وغیرہ میں یہ صراحت موجود ہے۔"[۴]

---

۱ ایضاً ۲/۴۱۹ ۲ معارف الحدیث، مولانا منظور نعمانی: ۴/۴۳، بار اول، ۱۹۶۷ء

۳ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مرتبہ مولانا ظفیر الدین مفتاحی: ۶/۲۸۲، طبع ثانی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء (حیلۂ تملیک کی بحث کے لیے دیکھیے راقم سطور کی کتاب "زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں" حصہ اول مطبوعہ قرآنیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور)۔

۴ علم الفقہ۔ مولانا عبد الشکور فاروقی: ۴/۴۸، مکتبہ فاروقیہ لکھنؤ۔

اب سب سے آخر میں بغداد کے مشہور حنفی عالم علامہ شیخ محروس المدرس کی وہ رائے یا فتویٰ پیش کیا جاتا ہے جو ۸ جون ۱۹۹۰ء کو بنگلور میں منعقدہ تیسرے فقہی سیمینار میں انہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا اور جسے خود مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے ایڈیٹ کیا ہے ۔

سوال :۔ زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے ؟ (سائل مولوی عتیق احمد بستوی)

جواب :۔ اس سلسلہ میں فقہائے احناف کی دو آراء ہیں ، ایک رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے ۔ دوسری رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد ہر عمل خیر ہے ۔ متاخرین نے دوسری کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے مساجد ، دینی مدارس ، طلبہ علم اور بے سروسامان مسافروں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز بتایا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ حالات کا تقاضا ہے کہ اس دوسری رائے کو اختیار کیا جائے ۔ جن حضرات نے " سبیل اللہ " کو جہاد کے مفہوم میں منحصر کیا ہے ان کا یہ حصہ کسی شرعی بنیاد پر نہیں تھا ۔ بلکہ ان کے زمانہ میں سبیل اللہ کہ جہاد کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں تھی ۔ اس زمانے کے لوگوں کی حاجتیں ہماری طرح نہ تھیں ۔ کیونکہ اس زمانے میں اسلامی حکومت تھی ، جس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں اور دینی مدارس کے اخراجات کی کفالت حکومت کرتی تھی اب حالات میں تغیر آگیا ہے اس لیے زمانے کے اقتضاء کے مطابق اب " سبیل اللہ " سے ہر امر خیر مراد ہے[1]

یہ چند نمونے ہیں جو ہم نے سرسری طور پر پیش کئے ہیں ، ورنہ اگر تلاش و جستجو کی جائے تو اس قسم کی اور بھی بہت سی رائیں اور فتوے مل سکتے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کی ایک کثیر تعداد فی سبیل اللہ میں عمومیت کی قائل ہے بہرحال اوپر جو رائیں اور فتوے نقل کئے گئے ہیں ان سے اس مسئلہ کے تمام پہلو واضح اور روشن ہو گئے ہیں اور کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہی ۔ ظاہر ہے کہ اتنے سارے علماء وفقہاء نے جو فیصلہ کیا ہے وہ نفسانیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ شرعی دلائل کی بنیاد پر ہی فیصلہ کیا ہے ، جسے غلط قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

ایک اہم سوال

واضح رہے سابقہ حالات کی بناء پر اگر پچھلے دور میں فی سبیل اللہ کے تحت غزوہ و جہاد کو غلبہ حاصل تھا تو موجودہ دور میں علمی جدوجہد اور اسی قسم کی دیگر سرگرمیوں کو اہمیت حاصل ہو گئی ہے ۔ کیونکہ موجودہ دور میں صحیح شرائط کے مطابق غزوہ و جہاد نہیں ہو رہا ہے اور جو جنگیں قومی و جغرافیائی اور نسلی و لسانی عصبیت کے تحت لڑی جا رہی ہیں انہیں جہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا ۔ اسی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود اپنے دور کی جنگوں سے نالاں ہو کر انہیں جہاد تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے صرف حج کو فی سبیل اللہ قرار دیتے تھے[2]

---

[1] مجلہ فقہ اسلامی ، مرتبہ مجاہد الاسلام قاسمی ص ۲۶۶ مطبوعہ دہلی ۔ [2] دیکھئے بخاری کتاب التفسیر ۵/۱۵۶ ، مطبوعہ استنبول ، اس بحث کی تفصیل راقم سطور نے اپنی کتاب " زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں " کے حصہ اول میں کی ہے ۔

ظاہر ہے کہ جب خود حضرت ابن عمرؓ کے دور میں جہاد کے مقاصد بدل گئے تھے تو پھر موجودہ دور میں اس کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ جب صحیح اسلامی روح اور اس کی اسپرٹ کے تحت آج جہاد نہیں ہو رہا ہے تو کیا اس مصرف کو ہمیشہ کے لیے معطل و منسوخ قرار دے دیا جائے یا اس کے دوسرے مقتضا پر عمل کیا جائے جو خود حدیث نبوی ہی کی رو سے ثابت ہے؟ حالانکہ دین الٰہی میں کسی حکم کو دوام اور ہمیشگی حاصل رہنی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے مقتضا پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فقہ کے دو اہم اصول

چنانچہ فقہ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ عرف و حالات کی تبدیلی کی بناء پر اجتہادی احکام میں نظرِ ثانی یا تبدیلی کی جا سکتی ہے جب کہ وہ "نصوص" سے ٹکراتے نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہاں پر معاملہ نصوص سے ٹکرانے کا ہے ہی نہیں، بلکہ ایک نص کے مقابلے میں دوسری نص پر عمل کرنا ہے۔ کیونکہ خود حدیثوں کی تصریح کے مطابق فی سبیل کے ایک سے زیادہ مصداق موجود ہیں۔ گویا کہ خود نصوص میں توسع رکھا گیا ہے تاکہ وہ حالات اور زمانے کے تغیرات کا ساتھ دے سکیں۔ لیکن اسے "جمہور" سے اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی نص صریح کی موجودگی میں جمہور کا ہوا کھڑا کرنا تقلید جامد اور رنگ نظری کو بڑھاوا دینا ہے۔ موجودہ دور میں کم از کم اجتہاد کا دعویٰ کرنے والوں کو اس قسم کے بھونڈے پن سے احتراز کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں آسانی رکھی ہے تنگی نہیں، جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ : ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

نیز فرمانِ الٰہی ہے۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج ۷۸)

اور فقہ کا ایک اور مشہور اصول ہے "مشقت آسانی لاتی ہے"۔ (المشقۃ تجلب التیسیر) لہٰذا مشقت یا مشکل حالات میں آسان پہلو یا رخصت پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ نے اپنی وقیع کتاب "الاشباہ والنظائر" میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے[1]

یہ نیا اجتہاد نہیں ہے

بہر حال اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ محروس المدرس کی رائیں بہت وقیع اور قابل قدر ہیں کہ اس میں حالات و زمانے کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے۔ اس اعتبار سے اگر کسی دور میں غزوہ و جہاد کو اولیت حاصل رہی ہو اور اس بنیاد پر اسے "جمہور" کا مسلک قرار دیا گیا ہو تو موجودہ دور میں حالات کے بدل جانے اور علمائے امت کی اکثریت کا اس کی عمومیت پر اتفاق کر لینے کے باعث کہا جا سکتا ہے کہ اب عصرِ حاضر کے "جمہور" فی سبیل اللہ میں عموم کے قائل ہیں۔ اور یہ کوئی

---

[1] دیکھئے کتاب مذکور میں بحث، القاعدہ الرابعۃ المشقۃ تجلب التیسیر، صد ۸۴ ۔ ۳۰ھ، مطبوعہ دار الفکر دمشق، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

"نیا اجتہاد" یا کسی "متجدد" کی رائے نہیں بلکہ چوتھی صدی کے فقیہ شافعی امام ابواسحاق مروزیؒ اور چھٹی صدی کے ممتاز عالم حدیث قاضی عیاضؒ اور مشہور حنفی فقیہہ امام کاسانیؒ سے لے کر موجودہ دور تک کے بہت سے علما و فقہا اور مفسرین اس کے قائل رہے ہیں اور عصر جدید میں تو ان کی تعداد اتنی ہوگئی ہے جو شمار سے بھی باہر ہے۔ اوپر بطور مثال چند نام گنائے گئے ہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو اس فہرست میں بہت کافی اضافہ ہوسکتا ہے ظاہر ہے کہ اتنے سارے علما کسی غلط رائے پر متفق نہیں ہوسکتے۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ اس کی تائید خود حدیث شریف سے بھی ہو رہی ہو۔

فقہی اختلافات کی حقیقت

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ فقہ میں اختلاف اقوال و مسلک کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک مسلک والا دوسرے مسلک والے کو غلط اور باطل ٹھہراتا ہے۔ بلکہ محققین کی رائے کے مطابق اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر مسلک والا اپنے مسلک کو راجح اور اپنے مخالف کو مرجوح قرار دیتا ہے یعنی اس کا نظریہ صرف یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کا مسلک بھی اگرچہ جائز ہے مگر میرا مسلک میری نظر میں زیادہ بہتر ہے[1] مگر صدیوں کے قیل و قال کے باعث ہر مسلک والا اب گویا کہ اپنے ہی مسلک کو حق اور مخالف مسلک رکھنے والے کو باطل قرار دینے پر اڑ گیا ہے۔ تو یہ صورتحال بہت ہی افسوسناک ہے۔ اس قسم کا رویہ اگر عوام کے لیے قابل درگزر ہو تو ہو مگر وہ علما کے لیے ناقابل معافی ہے خاص کر ان علما کے لیے جو موجودہ دور میں اجتہاد کا نعرہ بھی بلند کرتے ہوں۔

فقہ حنفی کی وسعت

حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں دیگر مسلکوں کے برعکس زیادہ وسعت و جامعیت اور روشن فکری پائی جاتی ہے، جو در اصل مختلف ادوار کے عرف و عادات کی تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ خود فی سبیل اللہ کی تاویل میں فقہ حنفی کی رو سے چار اقوال موجود ہیں اور یہ چاروں ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہونے کے باوجود صدیوں سے اب تک قابل تصور کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) اس سے محتاج غازی مراد ہے (۲) اس سے محتاج حاجی مراد ہے (۳) اس سے مراد طالب علم ہے (۴) اس میں تمام امور خیر داخل ہیں[2]

ناطقہ سربگریباں ہے

مگر اب موجودہ دور کے بعض اہل مدرسہ ان چاروں میں سے آخری تینوں اقوال کو نظر انداز کر کے صرف پہلے قول پر اڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جمہور کا مسلک ہے۔ گویا کہ بقیہ تینوں اقوال ناجائز اور باطل ہیں جو صدیوں سے اب تک مستند و مقبول تھے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ

---

[1] جائز و ناجائز کی بحث صرف چند گنے چنے مسائل ہی میں پیدا ہوگئی ہے۔

[2] دیکھئے البحر الرائق ۲/۲۴۲، درمختار مع ردالمحتار ۲/۶۷، اور تفسیر روح المعانی ۱۰/۱۲۳ وغیرہ۔

آخری قول کے مطابق وہ فی سبیل اللہ میں اہل علم وقلم کو شامل ہونے سے روک سکیں۔ یعنی ان کی نظر میں "تمام امور خیر" میں دنیا کا کوئی بھی شخص داخل ہو سکتا ہے، سوائے ایک "صاحب علم وقلم" کے، جو باوجود اپنے فقر و احتیاج کے بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یا للعجب! یہ خدا کی شریعت پر عمل کرنا ہے یا اس پر چاند ماری کرنا؟!

یہ ہے موجودہ دور میں اجتہاد کا نعرہ بلند کرنے والوں کی منطق! کیا اس میں کوئی معقولیت نظر آتی ہے؟ حالانکہ خود ہمارے قدیم فقہاء نے اہل علم کو زکوٰۃ کا مستحق قرار دینے کے سلسلے میں خصوصی فتوے جاری کئے ہیں۔[۱] لیکن ان تمام فتووں سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اہل علم کو زکوٰۃ دینا ایک نوین مد کا اضافہ ہے، ظاہر ہے کہ نہ صرف ایک غلط دعویٰ ہے بلکہ اصل اسلامی شریعت کو عوام سے چھپانے کی بھی ایک جسارت ہے۔

فی سبیل اللہ اور حدیث نبوی واضح رہے سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ کی رو سے فی سبیل اللہ کے الفاظ عام ہیں اور اصولی اعتبار سے جب تک اس کی تخصیص کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ کوئی ایک ہی چیز فی سبیل اللہ کا واحد مصرف ہے۔ اس کے برعکس حدیث شریف میں متعدد امور کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا گیا ہے، جیسے غازی، حاجی اور عالم۔ (جیسا کہ راقم سطور نے اپنی تحریروں میں اس پر مفصل بحث کی ہے) اور ایک حدیث وہ ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے ایک شخص کی دیت (خون بہا) ادا کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں بظاہر شامل نہیں ہے۔ لہٰذا اسے فی سبیل اللہ ہی میں شامل کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور جواز ہی اس طرح کیا ہوگا تاکہ امت کے لیے ایک مثال قائم ہو جائے۔ جب خود رسول اکرمؐ نے اپنے فعل اور اپنی سنت کے ذریعہ کسی کام کا جواز ثابت کر دیا ہے تو پھر اس میں چناں وچنیں کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

غرض ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر مختلف چیزوں کو فی سبیل اللہ میں شامل و داخل کیا ہے مگر کسی بھی حدیث میں یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ کوئی ایک ہی چیز فی سبیل اللہ میں شامل ہے یا کوئی واحد شے اس کا مصداق ہے۔

ایک قیمتی اصول اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ فی سبیل اللہ کی تحدید نہیں فرمائی ورنہ ہماری ملت کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اختلاف احادیث ہی کی بنیاد پر علماء و فقہاء میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ گویا کہ یہ اختلاف بالکل فطری وعقلی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا اب اسے جواز و عدم جواز کے پیمانے سے دیکھنا بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کے برعکس

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے راقم سطور کی کتاب "زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟"

اس اختلاف آراء سے عصری تقاضوں کے مطابق استفادہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے گرامی ہے۔ چنانچہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ "مشائخ کے لیے جائز ہے کہ وہ مصلحت زمانہ پر عمل کرتے ہوئے ہمارے اصحاب میں سے کسی ایک کا قول اختیار کر لیں[1]"

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ فی سبیل اللہ کو عام قرار دے دینے سے مصارفِ زکوٰۃ کے آٹھ میں منحصر ہونے کی قطعیت متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ سات مصارف تو وہی رہیں جو منصوص طور پر مذکور ہیں۔ مگر فی سبیل اللہ میں صرف وہ امور داخل ہوں گے جن کا تذکرہ بقیہ سات اصناف میں نہیں آسکا ہے اور وہ مقتضیاتِ عصر کے لحاظ سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مذکور کی رو سے اہل زکوٰۃ سے کسی شخص کی دیت (خون بہا) ادا کرنا بھی اس سلسلے کی ایک مثال ہے۔ اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ اس میں مختلف تمدنی امور شامل ہو سکتے ہیں۔ اس توجیہ و تاویل سے اس سلسلے کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری ملت کے صاحب اور پختہ کار علماء ان نکات پر غور فرمائیں۔

فقہی اختلافات باعث رحمت

واضح رہے اوپر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس اصول کا تذکرہ کیا ہے وہ صرف فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ تمام فقہائے امت کے اختلافات پر بھی صادق آسکتا ہے۔ اور موجودہ دور میں اجتہاد کرنے والوں کے سامنے سب سے پہلا اصول یہی رہنا چاہیے کہ وہ کسی مخصوص طرز فکر کی ترجمانی کرنے کے بجائے پوری فقہ اسلامی کو قابل استفادہ تصور کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ موجودہ حالات میں کون سے فقیہہ کا قول یا مسلک زیادہ مناسب اور بہتر ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے یہ ایک خوش آئند خبر ہے کہ عصر حاضر میں نئے مسائل کے سلسلے میں اجتہاد کرنے والوں کے سامنے یہ اصول موجود ہے اور وہ اس کی اہمیت تسلیم کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ جامع ازہر کے تحت قاہرہ میں "مجمع البحوث" کی پہلی مؤتمر منعقدہ شوال ۱۳۸۳ھ / مارچ ۱۹۶۴ء میں ایک قرارداد اس بات کی منظور کی گئی کہ نئے مسائل میں مصالح کی رعایت کرتے ہوئے تمام فقہی مسلکوں سے فائدہ اٹھایا جائے، جب تک کہ وہ اس ضرورت کو پورا کریں۔ اور اگر وہ اس ضرورت کو پورا نہ کرتے ہوں تو پھر اجتماعی اجتہاد سے کام لیا جائے[2]۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہی اختلافات ملت اسلامیہ کے لیے باعث رحمت ہیں نہ کہ باعث زحمت، اور یہ تمام اختلافات شریعت کے حدود ہی میں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا کوئی بھی فرقہ اور مسلک (چاہے وہ حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی) نفسانی خواہش کی بنیاد پر کوئی بات نہیں کہتا۔ بلکہ ہر ایک دلیل و استدلال کی بنیاد پر اختلاف

[1] عقد الجید، از شاہ ولی اللہ، ص۱۲، مطبوعہ کراچی۔ [2] الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ، ص۲۳۱، مطبوعہ جامعہ محمد اسلامیہ ریاض، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

کرتا ہے۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم امام شعرانیؒ اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کا کوئی بھی قول شریعت مطہرہ سے خارج نہیں ہے۔

وما اومأنا اليه من دخول جميع أقوال الائمة المجتهدين ومقلديهم الى يوم الدين فى شعاع نور الشريعة المطهرة، بحيث لاترى قولا واحدًا منها خارجًا عن الشريعة المطهرة، فتامل وتدبر۔

نیز موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ ائمہ فقہ کا اختلاف فروعی مسائل میں ہے (اصولی مسائل میں نہیں) اوران تمام اقوال کی شریعت مطہرہ میں گنجائش موجود ہے اوراس میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ نیز یہ اختلاف امت کے لیے باعث رحمت ہے جو ایک علیم وحکیم ہستی کی جانب سے ہے۔

وان اختلاف ائمة هذه الأمة فى فروع الدين۔ وان الشريعة المطهرة جاءت شريعة سمحاء واسعة شاملة، قابلة لسائر أقوال ائمة الهدىٰ من هذه الأمة المحمدية، وأن كلا منهم فيما هو عليه فى نفسه على بصيرة من امره وعلى صراط مستقيم، وأن اختلافهم انما هو رحمة بالأمة، نشأ عن تدبير العليم الحكيم۔

اسی طرح موصوف تحریر کرتے ہیں کہ تمام مسلک اپنی اپنی جگہ پہ صحیح ہیں، کسی بھی مسلک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب کے سب شریعت مطہرہ ہی کے خوشہ چین ہیں۔ اوران میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔ (اگرچہ ظاہری طور پر بہت بڑا تعارض نظر آتا ہے۔)

ایک لمحۂ فکریہ

حاصل یہ کہ شریعت اسلامیہ میں اس قدر وسعت رکھی گئی ہے کہ وہ ان تمام "ظاہری اختلافات" کو سمیٹ لے۔ تاکہ عملی دنیا میں امت کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ ورنہ کسی ایک ہی قول پر کاربند ہونے کے نتیجے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس پہلو کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ دین میں آسانی رکھی گئی ہے سختی نہیں۔ اور یہ پوری امت اسلامیہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ ایک حدیث شریف کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا۔

(دین کی باتوں میں) آسانی کا پہلو اختیار کرو اور (اس میں خواہ مخواہ) سختی مت کرو (لوگوں کو) خوشی کی بات سناؤ اور انہیں نفرت نہ دلاؤ۔

اس حدیث میں جو چار باتیں مذکور ہیں وہ دراصل شریعت کے چار اہم ترین اصول ہیں جو مختصر الفاظ میں ہونے کے باوجود کلیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوران اصولوں کے ملاحظہ سے شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی ماہیت پر بھی بخوبی روشنی پڑجاتی ہے۔